عصمت چغتائی: روشنی سے راکھ تک

نظام قدرت سے بغاوت، اخروی زندگی کی ناکامی کی علامت

جناب محمد رفیع

ریاستی کنوینر، قومی اساتذہ تنظیم، مظفر پور (بہار)

عورت نے جنم دیا مردوں کو مردوں نے اسے بازار دیا
جب جی چاہا مسلا کچلا جب جی چاہا دھتکار دیا

مشہور و معروف شاعر "ساحر لدھیانوی" کا یہ شعر عورتوں کو سماجی سطح پر جو مقام حاصل ہے اس کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ اسلام میں عورتوں کو جو حقوق حاصل ہے اس کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شریعت نے عورتوں کو بہت اعلی وارفع بنایا ہے۔ جس جنت کی ہم جستجو کرتے ہیں وہ ماں کے قدموں کے نیچے ہے اور "ماں" ایک عورت ہوتی ہے۔ بیوی کو ہم شریک حیات کہتے ہیں جو اپنے شوہر کے حیات میں، تمام خوشیوں، مسرتوں اور غموں میں شریک ہوتی ہے۔ اور وہی عورت بیٹی ہے تو اللہ کی رحمت ہے، گھر کی رونق ہے۔ ہاں درندہ صفت انسان کو اسلام اور شریعت کی تعلیمات سے کیا لینا، وہ عورتوں کو مردوں کے دل بہلانے کا کھلونا تصور کرتا ہے جس کی حمایت نہ تو کوئی مذہب کرتا ہے اور نہ ہی باشعور سماج۔ عورتوں کے حقوق کی پامالیوں کا مدہ ہمیشہ سے موضوع بحث رہا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق، ان کے احترام اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سورہ النساء (آیت ۱۹) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں " اور عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو"۔ اللہ کے احکام نے عورتوں کو دور جاہلیت کی ذلت سے نکال کر معاشرے میں عزت، وقار بخشا اور میراث، نکاح، طلاق، تعلیم اور معاشی خود مختاری کا قانونی حقوق اسے عطا فرمایا۔ اللہ کے پیارے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ہدایت کے مطابق عورتوں کے حقوق، ان کی عزت اور حسن سلوک پر بہت زور دیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان مشہور ہے کہ "عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امان سے (اپنے نکاح میں) لیا ہے"۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے سب سے بہتر ہو"۔ آپ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ نرمی اور بھلائی سے پیش آنے کی تلقین کی ہے۔ بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کی تعلیم، تربیت اور ان کے نان و نفقہ کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے۔ آپ ﷺ نے آخری خطبہ (حجۃ الوداع) کے موقع پر بھی خواتین کے حقوق کا خیال رکھنے کی وصیت فرمائی تھی۔ آپ ﷺ نے بیٹی، بہن، ماں اور بیوی کے طور پر ان کے حقوق متعیّن فرمائے۔

افسانہ نگاری، خاکہ نگاری اور ناول نگاری میں نام پیدا کرنے والی ہندوستان کی مشہور و معروف اردو مصنفہ "عصمت چغتائی"، نے توحد درجہ تک عورتوں کے حقوق کی پامالیوں کے خلاف تحریری طور پر مخالفت کی ہے۔ یعنی عورتوں کے خلاف سماج میں جو جہالت کا ماحول قائم ہوگیا ہے اس کے خلاف انہوں نے زبردست مورچہ بندی کی۔ عصمت چغتائی کی شخصیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ عصمت چغتائی کو "پطرس بخاری، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی اور کرشن چند جیسے بڑے قد کے افسانہ نگاروں کی فہرست میں جدید اردو فکشن کا چوتھا ستون شمار کیا جاتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کے لئے بہت سارے مصنفین نے قلم اٹھائے لیکن آپ نے عورتوں کے حقوق کے لئے قلم کو تلوار بنادیا۔ قدیم روایات سے بغاوت کر آپ نے عورتوں کے مسائل کو بہت مضبوطی کے ساتھ اٹھایا ہے۔ آپ کی کہانیوں میں عورتوں کی خاموش چیخوں، ان کی جذباتی اور جسمانی محرومیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ آپ کی کہانیاں سماج کے دوغلے پن اور فرسودہ روایات پر چوٹ کرتی ہیں۔ آپ کے افسانوی مجموعے "چوٹیں" (جو کہ ایک متنازع اور آپ کی بے باک افسانوں کا مجموعہ ہے) کا خلاصہ متوسط طبقے کی گھریلو زندگی، جنسی نفسیات اور سماجی ناہمواریوں کے گرد گھومتا ہے۔ اس مجموعے کے افسانے جیسے "لحاف" (۱۹۴۱) میں شائع ہوا تو بڑا دھماکہ محسوس کیا گیا۔ اس افسانہ میں سماجی ڈھانچے، عورتوں کی دبی ہوئی خواہشات اور ان کی مشکلات کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ دو عورتوں کے باہمی جنسی تعلقات کے موضوع پر لکھی گئی اس کہانی سے ادبی دنیا میں بھونچال آ گیا۔ آپ کے افسانے اور ناول متوسط طبقہ کی خواتین کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آپ کا پہلا افسانہ "گیندا" ہے۔ اس افسانے میں آپ نے کئی اہم موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ اس افسانہ کا مرکزی کردار 'گیندا' ہے۔ گیندا ایک نہایت غریب لڑکی ہے۔ اس کی سہیلی ایک اوسط درجہ کے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ کہانی اسی لڑکی کی زبانی سنائی گئی ہے۔ دونوں بچپن سے ساتھ کھیلتے ہیں۔ 'گیندا' کی بچپن میں ہی شادی ہوجاتی ہے اور وہ بیوہ بھی ہوجاتی ہے۔ کھیل کے دوران میں جب 'گیندا' کو سیندور دیا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ "بدھوا کاہے کو سنگھار کرے"۔ 'گیندا' کی سہیلی کا بھائی 'گیندا' کو ماں بنادیتا ہے۔ کسی طرح لڑکے کو دہلی بھیج دیا جاتا ہے۔ سال ڈیڑھ سال بعد 'گیندا' کی سہیلی واپس آتی ہے تو 'گیندا' کی گود میں بچہ ہوتا ہے۔

آپ (عصمت چغتائی) نے جب بمبئی کا رخ کیا تو وہاں بھی آپ نے کامیابیوں کے جھنڈے گاڑے۔ بمبئی میں شاہد لطیف نے رہنمائی فرمائی، آپ کو فلمی دنیا سے روشناس کرایا۔ شاہد لطیف اسکرین رائٹر سے فلم پروڈیوسر بن گئے تھے۔ عصمت ان کی فلموں کے لئے کہانیاں اور مکالمے لکھتی تھیں ان کی فلموں میں "ضدی" (۱۹۴۸)، جس میں دیو آنند نے پہلی مرتبہ ہیرو کا رول ادا کیا تھا، "آرزو" (۱۹۵۰)، اس فلم میں دلیپ کمار اور کامنی کوشل نے رول ادا کئے تھے۔ ۱۹۵۸ میں آپ کے مکالمے پر بنی فلم "سونے کی چڑیا" باکس آفس پر ہٹ ہوئیں۔ ۱۹۷۴ء میں آپ کے ایک افسانہ کی بنیاد پر بنی فلم "گرم ہوا" کے مکالمے اور اسکرین پلے کیفی اعظمی اور شمع زیدی نے تحریر کئے تھے۔ پارٹیشن کے موضوع پر بنائی گئی یہ ایک لاجواب فلم تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے شیام بنیگل کی دل کو چھو لینے والی فلم "جنون" کے ساتھ ہی فلم "محفل" کے بھی مکالمے تحریر کئے۔ فلم جنون میں آپ نے ایک چھوٹا سا رول بھی ادا کیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ جن فلموں سے وابستہ رہیں ان میں چھیڑ چھاڑ، شکایت، بزدل، شیشہ، فریب، دروازہ، سوسائٹی، اور لالہ رخ شامل

ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بعد میں آپ کی فلمیں ناکام ہوتی رہیں۔ اپنے شوہر شاہد لطیف کی رحلت کے بعد بھی آپ فلمی دنیا سے منسلک رہیں۔

جدت پسند شخصیت کی حامل اور مردوں کی برتری (جس کا نظام خدا نے قائم کیا ہے) کو نہ ماننا ہی آپ کا نظریات زندگی تھا۔ پھر بھی آپ نے ایک مرد یعنی شاہد لطیف سے شادی کر لی تھی، اتنا ہی نہیں آپ ان کے بچے کی ماں بھی بنیں۔ اسی بات پر میں بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر بہار یونیورسٹی، مظفر پور میں تاریخ کے سابق پروفیسر جناب ستیارتھی جی کے قول کو دوہرانہ چاہوں گا کہ آخر کار بچہ جننے کا کام عورتیں ہی کریں گی۔ یہ باتیں انہوں نے خواتین بل پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔ آپ (عصمت چغتائی) کے شادی کرنے کی کہانی کافی مزیدار ہے۔ آئی ٹی کالج لکھنؤ اور علی گڑھ سے بی ٹی کرنے، مختلف مقامات پر معلمی کرنے اور کچھ بالاعلان، دھواں دھار معاشقوں کے بعد آپ نے بمبئی کا رخ کیا تھا، جہاں آپ کو انسپکٹریس آف اسکولز کی ملازمت مل گئی تھی۔ بمبئی میں شاہد لطیف بھی تھے جو پونے دو سو روپے ماہوار پر بمبئی ٹاکیز میں مکالمے لکھتے تھے۔ شاہد لطیف سے آپ کی ملاقات علی گڑھ میں ہوئی تھی جہاں وہ ایم اے کر رہے تھے اور ان کے افسانے ادب لطیف وغیرہ رسالوں میں شائع ہوتے تھے۔ بمبئی پہنچ کر ان دونوں کا طوفانی رومانس شروع ہوا اور دونوں نے شادی کر لی۔ محبت کے معاملہ میں آپ کا رویّہ بالکل غیر روائتی تھا۔ آپ کا کہنا تھا، "میں محبت کو بڑی ضروری اور بہت اہم شئے سمجھتی ہوں، محبت بڑی مقوی دل و دماغ شئے ہے لیکن اس میں لیچڑ نہیں بن جانا چاہئے۔ اٹواٹی کھٹواٹی نہیں لینا چاہئے، خودکشی نہیں کرنا چاہئے زہر نہیں کھانا چاہئے۔ اور محبت کا جنس سے جو تعلق ہے وہ فطری ہے۔ وہ زمانہ لد گیا جب محبت پاک ہوا کرتی تھی۔ اب تو محبت ناپاک ہونا ہی خوبصورت مانا جاتا ہے" اسی لئے جب شاہد لطیف نے شادی کی تجویز پیش کی تو آپ نے کہا تھا، "میں گڑبڑ قسم کی لڑکی ہوں، بعد میں پچھتاؤ گے۔ میں نے ساری عمر زنجیریں کاٹی ہیں اب کسی زنجیر میں جکڑی نہ رہ سکوں گی، فرماں بردار پاکیزہ عورت ہونا مجھ پر سجتا ہی نہیں۔" لیکن شاہد نہ مانے۔ شاہد لطیف کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں وہ کہتی ہیں، "مرد عورت کو پوج کر دیوی بنانے کو تیار ہے، وہ اسے محبت دے سکتا ہے، عزت دے سکتا ہے صرف برابری کا درجہ نہیں دے سکتا شاہد نے مجھے برابری کا درجہ دیا" برابری کے اس درجہ کی اساس مکمل دوطرفہ آزادی تھی۔ اس میں جذباتی تعلق کا کتنا دخل تھا اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب ۱۹۶۷ء میں شاہد لطیف کا دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہوا اور ڈاکٹر صفدر آپ سے اظہار ہمدردی کرنے آپ کے گھر پہنچے تو آپ نے کہا، "یہ تو دنیا ہے ڈاکٹر صاحب! یہاں آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے۔" آپ کی نظر میں شاہد لطیف کی شخصیت ڈرائنگ روم کے فرنیچر سے زیادہ نہیں تھی، آپ نے ڈاکٹر صفدر سے صاف صاف یہ بھی کہہ دیا کہ جس طرح گھر میں جب صوفہ ٹوٹ جائے تو ہم اسے باہر نکال دیتے ہیں اور خالی جگہ کو کوئی دوسرا صوفہ پُر کر دیتا ہے۔"

دراصل آپ اک زود نویس (تیز قلم) ادیبہ تھیں۔ آپ نے اپنا نیم سوانحی ناول "ٹیڑھی لکیر" سات آٹھ دن میں اس حالت میں لکھا تھا کہ آپ حاملہ اور بیمار تھیں۔ اس ناول میں آپ نے اپنے بچپن سے لے کر جوانی تک کے تجربات و مشاہدات کو بڑی خوبی سے سمویا ہے اور معاشرے کے جملہ مسلّمات پر ضربیں لگاتے ہوئے، مذہبی سماجی اور نظریاتی تصورات کی بے دریغ نکتہ چینی کی

ہے۔ آپ کے آٹھ ناولوں میں اس ناول کا وہی مقام ہے جو پریم چند کے ناولوں میں "گئودان" کا ہے۔ آپ کے دوسرے ناول "ضدی"، "معصومہ"، "دل کی دنیا"، "اک قطرۂ خون"، "بہروپ"، "سودائی"، "جنگلی کبوتر"، "عجیب آدمی"، اور "باندی" ہیں۔ آپ خود بھی "دل کی دنیا" کو اپنا بہترین ناول سمجھتی تھیں۔ ۱۹۴۱ میں "کلیاں" اور ۱۹۴۲ میں "چوٹیں" نام سے آپ کے کہانیوں کا مجموعہ شائع ہوئی تھی، پہلی کہانی "فسادی" ۱۹۳۹ میں مؤقر ادبی رسالہ "ساقی" میں شائع ہوئی۔ ۱۹۳۹ ہی میں آپ نے 'کافر'، 'خدمتگار'، 'ڈھیٹ' اور 'بچپن' نام کی کہانیاں تحریر فرمائیں۔ "چوتھی کا جوڑا"، "گیندا"، "دوہاتھ"، "جڑیں"، "ہندوستان چھوڑو"، "ننھی کی نانی"، "بھول بھولیاں" و "ساس اور بچھو پھوپھی" آپ کے مشہور مضامین ہیں۔

آپ کو بہترین ادبی خدمات کے صلہ میں سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی جانب سے کئی اہم اعزازات اور انعامات بھی ملے۔ ۱۹۷۵ میں حکومت ہند نے آپ کو "پدم شری" کا خطاب دیا۔ ۱۹۹۰ میں مدھیہ پردیش حکومت نے "اقبال سمّان" سے نوازا، آپ "غالب ایوارڈ" اور "فلم فیئر ایوارڈ" سے بھی سرفراز ہوئیں۔

اتر پردیش کے بدایوں ضلع میں ایک متوسط مسلم گھرانے میں ۲۱ اگست ۱۹۱۵ء کو آپ کی ولادت ہوئی تھی۔ آپ کی پرورش جودھ پور میں ہوئی تھی، جہاں آپ کے والد مرزا قسیم بیگ چغتائی سول ملازم کے عہدہ پر فائز تھے۔ لیکن آپ نے جنسیات اور خواتین کی نفسیات پر جس بے باکی کے ساتھ مضامین تحریر فرمائی وہ بے مثال ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو مقبولیت اور کامیابی حاصل ہوئی لیکن آپ کا یہ ترز تحریر روایتی مذہبی ماحول کے خلاف تھی۔ آپ یہ بھی بھول گئیں کہ عورت صنف نازک ہے، ان کے اپنے کچھ خصوصیات ہیں تو کچھ مجبوریاں بھی ہیں۔ خالق کل، مالک حقیقی عَالِمُ الکُل ہے، ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے مردوں کو عورتوں کا محافظ مقرر کیا۔ لیکن آپ نے اس سے انکار کر اپنا عاقبت خراب کر لیا۔

راشدہ جہاں، واجدہ تبسم اور قراۃ العین حیدر کی طرح آپ نے بھی اردو ادب میں انقلاب پیدا کر دیا۔ آپ لکھنؤ میں پروگریسیو رائٹرز موومنٹ سے بھی منسلک رہیں۔

آپ کے نانا کا نام امراؤ علی تھا، جن کا شمار اردو کے ابتدائی دور کے ناول نگاروں میں ہوتا تھا۔ 'رزم بزم' اور 'البرٹ بل' ان کے مقبول ترین ناول تھے۔ آپ کے بھائی مرزا عظیم بیگ چغتائی اردو کے مشہور مزاح نگار تھے۔ آپ ۹ بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ ہوش سنبھالا تو بڑی بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں اور آپ کو بچپن میں صرف اپنے بھائیوں کا ساتھ ملا۔ جن کی برتری کو لڑ جھگڑ کر چیلنج کرنا ہی آپ کا اصل کام تھا۔ گلی ڈنڈا اور فٹبال کھیلنا ہو یا گھوڑ سواری اور درختوں پر چڑھنا، آپ ہر وہ کام کرتی تھیں جس کی لڑکیوں کو ممانعت تھی۔ آپ نے چوتھی جماعت تک آگرہ میں اور پھر آٹھویں جماعت علی گڑھ کے اسکول سے پاس کی جس کے بعد آپ کے والدین آپ کی مزید تعلیم کے حق میں نہیں تھے اور آپ کو ایک سلیقہ مند گرہست عورت بننے کی تربیت دینا چاہتے تھے لیکن آپ کو اعلی تعلیم کی دھن تھی، اس لئے دھمکی دی کہ اگر آپ کی تعلیم جاری نہ رکھی گئی تو آپ گھر سے بھاگ کر عیسائی بن جائیں گی اور مشن اسکول میں داخلہ لے لیں گی۔ آخر آپ کی ضد کے سامنے والد کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور آپ نے علی گڑھ جا کر سیدھے دسویں میں داخلہ

لے لیا۔ اور وہیں سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ علی گڑھ میں آپ کی ملاقات اعلی تعلیم یافتہ ڈاکٹر رشید جہاں سے ہوئی جو آزاد خیال، پسماندہ اور مظلوم عورتوں کے حقوق کی علمبردار، کمیونسٹ نظریات رکھنے والی خاتون تھیں۔ جنھوں نے ۱۹۳۲ء میں سجّاد ظہیر اور احمد علی کے ساتھ مل کر کہانیوں کا ایک مجموعہ "انگارے" کے نام سے شائع کیا تھا جس کو فحش اور باغیانہ ٹھہراتے ہوئے حکومت نے اس پر پابندی عاید کر دی تھی اور اس کی تمام کاپیاں ضبط کر لی گئی تھیں۔ انھوں نے آپ کو کمیونزم کے بنیادی عقاید سے روشناس کرایا اور آپ نے ان کو اپنا استاد تصور کر ان کے نقش قدم پر چلنے کا فیصلہ کیا۔ آپ کہتی ہیں کہ " مجھے روتی بسورتی، حرام کے بچّے جنتی، ماتم کرتی نسوانیت سے نفرت تھی۔ وفا اور جملہ خوبیاں جو عورت کا زیور سمجھی جاتی ہیں، مجھے لعنت محسوس ہوتی ہیں۔ جذباتیت سے مجھے سخت کوفت ہوتی ہے۔ عشق مقوی دل و دماغ ہے نہ کہ جی کا روگ۔ آپ بتاتی ہیں کہ یہ سب میں نے رشید آپا سے سیکھا۔ "لیکن آپ یہ بھول گئیں کہ عشق و معاشقہ اور غیروں سے تعلق قائم کرنا بھی حرام کاری کے زمرے میں ہی آتا ہے۔ آپ عورتوں کے پردہ کو جاگیردارانہ فعل قرار دیتی تھیں۔ عورتوں کی حالت زار کے لئے ان کی ناخواندگی کو ذمہ دار سمجھتی تھیں۔ آپ نے ایف اے کے بعد، لکھنؤ کے آئی ٹی کالج میں داخلہ لیا، آپ کے مضامین انگریزی، سیاسیات اور معاشیات تھے۔ آئی ٹی کالج میں آکر ہی آپ کو پہلی بار آزاد فضا میں سانس لینے کا موقع ملا تھا اور آپ متوسط طبقہ کے مسلم معاشرہ کی تمام جکڑبندیوں سے آزاد ہو گئی تھیں۔

نصف صدی تک ادب کی دنیا میں روشنیاں بکھیرنے کے بعد ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۱ کو آپ نے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا، اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے جسد خاکی کو چندن واڑی برقی شمشان گھاٹ میں سپرد آتش کر دیا گیا۔

آپ کی موت پر قرۃ العین حیدر نے کہا تھا، ''آل چغائی کی اردوئے معلی کب کی ختم ہوئی، اردو زبان کی کاٹ اور ترک تازی عصمت خانم کے ساتھ چلی گئی۔''

قرۃ العین حیدر نے یہ باتیں آپ کی اردو زبان کی بیس بہا خدمات کے مد نظر کہی تھیں۔ آپ نے جو اسلوب اور زبان تحریر استعمال کیا تھا اس کی پزیرائی ادبی حلقوں میں خوب ہوتی تھی۔ آپ نے زبان کو کردار کی ہی طرح متحرک اور حرارت آمیز عنصر کی طرح استعمال کیا تھا۔ اس طرح سے آپ نے رائج الوقت اسالیب اور صیغۂ اظہار کے ہجوم میں اسلوب و اظہار کی ایک نئی سطح قائم کر دی تھی جس کی ایک الگ شناخت قائم ہو چکی تھی۔ آپ کی تحریر ادبی معراج کی حیثیت رکھتا ہے کہ قاری کو پڑھتے وقت بات چیت کے تجربہ کا سا احساس ہونے لگتا ہے۔ آپ کی جادوئی قلم کی تحریک کے لئے الفاظ کا بڑا ذخیرہ آپ کے اندر محفوظ تھا جو تمام ہم عصروں سے زیادہ وسیع متنوع اور رنگین تھا۔ باوجود اس کے آپ کی رخصتی؟

سخن ہائے گفتنی جلد اول صفحہ نمبر ۹۹، پرویز اکبر رحمانی ایجوکیشنل اکیڈمی اسلام پورہ جلگاؤں مہاراشٹر ۱۹۹۹ میں درج ہے

" اردو کی ممتاز ترقی پسند افسانہ نگار ناول نگار عصمت چغتائی اسّی سال کی لمبی زندگی پاکر اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ عصمت چغتائی کو ان کی وصیت کے مطابق ایک شمشان بھومی میں نذر آتش کیا گیا۔ جب اخبارات میں یہ خبر چھپی تو خود ترقی پسند مسلمان ادیب اور شاعر حیرت زدہ رہ گئے۔ جب عصمت چغتائی کو جلایا جا رہا تھا اس وقت وہاں ان کی بیٹی و داماد دونوں نواسوں و

نواسیوں اور معروف ہندی ادیب دھرم ویر بھارتی کے سوا کوئی ترقی پسند اردو ادیب موجود نہ تھا۔ "دوزخی" کا خاکہ لکھنے والی دنیا والوں کے لئے نمونہ عبرت بن گئی۔ اردو ادب میں عصمت چغتائی اپنے مخصوص اسلوب باغیانہ خیالات اور حقیقت نگاری کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی رہی ہیں۔ انہوں نے مرد کی برتری کو کبھی نہیں مانا۔ ان کی جو آپ بیتی شائع ہوئی ہے اس کے اقتباسات آپ بھی پڑھیے۔ موصوفہ لکھتی ہیں کہ "میں نے ایک سال تک پنڈت سے گیتا کے سبق پڑھے اور اس کے ایک ایک شبد پر ایمان لائی، مجھے عذاب قبر سے بہت خوف آتا ہے، اسی لئے بھسم ہونے کی وصیت کر چکی ہوں گرچہ میں ایک چڑیا کو بھی جلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی لیکن موت کے بعد میری اپنی بیٹی اور بہو مجھے جلائیں گے اور مجھے بے بسی کے عالم میں یہ سب کچھ برداشت کرنا ہوگا۔ میری ایک بیٹی اور اس کا بیٹا آریہ سماجی ہندو ہیں میری دوسری بیٹی نے ایک پارسی سے شادی کی ہوئی ہے ویسے بھی بھارت میں زیادہ تر مسلمان کی مائیں ہندو خاندانوں سے آئی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم ہولی دیوالی عید اور شب برات بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں ذاتی طور پر میں نے تو عید پر کبھی بڑا جانور نہیں کٹوایا۔ بڑا گوشت ہمارے گھر میں آتا ہی نہیں میرا نواسہ اور اس کی ماں کٹر ہندو ہیں میری ایک بیٹی اور اس کا خاوند سب ہندو ہیں میری ایک بہن کی بہو بھی ہندو ہے دوسری بیٹی نے ایک پارسی سے شادی کرلی اس کے دو بیٹے ہیں دونوں کٹر پارسی ہیں ان کی دادی نے "کستی" کی رسم سے انہیں باقاعدہ پارسی بنایا تھا۔ ہم سب رسموں میں حصہ لیتے ہیں، گنپتی کا تہوار مناتے ہیں، جب ہندو بیٹی کے گھر جاتی ہوں تو ہم سب مورتی کے آگے ماتھا ٹیکتے ہیں۔"

(یہ "اردو کلاسک" گروپ، ۲۴ اکتوبر ۲۰۲۰ کا فیس بک پوسٹ ہے)

پوری عمر سماجی برائیوں کے خلاف لڑتے ہوئے آپ نے مالک حقیقی سے رشتہ استوار نہیں کیا، فیس بک پوسٹ سے مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے کفریا الفاظ بھی کہے ہیں، کافرانہ نظام کی حمایت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے چیزوں کو دنیاوی نظریہ کی کسوٹی پر جانچا، پرکھا اور اس کے مطابق ہی ردعمل کا اظہار اپنی تحریروں کے ذریعہ کیا۔ لیکن یہی کام اگر آپ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے ناطے شریعت کی روشنی میں کی ہوتیں تو شاید کہ آپ کی بھی یہ خواہش ہوتی کہ روح مدینہ منورہ کی گلیوں میں نکلے، لیکن بدعملی و بددینی والی زندگی گزارنے کی وجہ سے آپ کی اسلام سے رغبت نہ رہی۔ ہر ایک مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ ایمان پر قائم رہتے ہوئے کلمہ طیبہ پڑھنے کے دوران اس کی روح پرواز کرے، یعنی خاتمہ بالخیر ہو۔ لیکن آپ کی جسد خاکی کو آپ کے وصیت کے مطابق سپرد آتش کر دی گئی، یعنی آپ کا خاتمہ بالخیر نہیں خاتمہ بالسوء (گناہ پر، کفر پر خاتمہ) ہوا، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، دنیا کے جھمیلے میں آخرت کو بھول گئیں۔ بچپن میں آپ نے والدین سے بغاوت کی، انہیں بلیک میل کیا، والدین کی نافرمانیوں کا ہی نتیجہ ہوا کہ آپ پوری زندگی غیر مذہبی اور غیر شرعی طور پر گزارنے کو مجبور ہوئیں، نتیجہ برقی شمشان گھاٹ میں آپ کے بدن کو چھوڑ کر آپ کی روح پرواز کر گئی۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ پوری زندگی آپ نے عورتوں کے حقوق کے لئے آوازیں بلند کیں، لیکن ایسا کرنے والی آپ اکیلی مصنفہ نہیں تھیں بلکہ اور بھی مصنفین تھے جنہوں نے سماج میں عورتوں پر ہو رہے مظالم کے خلاف آواز بلند کی تھی، مسائل کو قلم بند کیا تھا، لیکن ایک مسلمان ہونے کے ناطے آپ کی طرح کسی نے بھی مذہبی حدود سے تجاوز نہیں کیا تھا۔ جیلانی بانو نے بھی عورتوں کے حقوق کو موضوع تحریر بنایا، ان کا افسانہ

"راستہ بند ہے" ایک عورت کی نفسیاتی کشمکش، تنہائی اور بے بسی کی عکاسی کرتا ہے۔ کہانی کسی قریبی شخص کی موت کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال پر مبنی ہے، جہاں مرکزی کردار کو زندگی کے تمام راستے بند نظر آتے ہیں۔ یہ افسانہ مجبور انسان کی اندرونی دنیا کا جذباتی احاطہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ پریم چند کے افسانے "چوگان ہستی، غبن اور میدان عمل" میں عورتوں کے احساسات، جذبات اور ان کے گھریلو و سماجی مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔ راشد الخیری کا ناول "موعودہ" میں لڑکیوں کو حق وراثت سے محروم کئے جانے کی روایات کے خلاف لکھا گیا ہے۔ خواجہ احمد عباس کا افسانہ "ایک لڑکی "علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم (Co-education) کے آغاز کے پس منظر میں لکھی گئی ایک حقیقت پسندانہ کہانی ہے۔ یہ ۱۹۳۸ء کے زمانے کی عکاسی کرتی ہے، جہاں روایتی ماحول میں لڑکیوں کی تعلیم اور لڑکوں کے ساتھ پڑھنے پر سماجی پابندیاں تھیں۔

بدنامی اور شہرت، تنازعات اور مقبولیت کے اعتبار سے آپ (عصمت چغتائی) اردو کے کسی بھی افسانہ نگار سے آگے، منفرد اور ممتاز ہیں, آپ کی تحریر، اسلوبیات، نظریات اور خیالات ہی آپ کی شخصیت کا آئینہ ہے۔ اور جو بغاوت، سرکشی، دردمندی بے ساختگی، بے تکلفی، الھڑپن اور شگفتہ اکھڑپن آپ کی تحریر کا زیور ہے۔ آپ نے اپنے چونکا دینے والے موضوعات، حقیقت پسندانہ طرز نگارش اور اپنے منفرد اسلوب کی بنا پر اردو افسانہ اور ناول نگاری کی تاریخ میں امتیازی جگہ بنائی۔ انسانی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات کو جس چابکدستی اور فنکاری سے اپنے افسانوں میں آپ پیش کرتی ہیں اس سے روز مرّہ کی زندگی کی مکمل اور جیتی جاگی تصویر نگاہوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ آپ نے اپنے کرداروں کے ذریعہ زندگی کی برائیوں کو باہر نکال پھینکنے اور اسے حسن، مسرت و سکون کا پیکر بنانے کی کوشش کی ہے۔ ''ہمیں اس بات کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ آپ کی شخصیت اردو ادب کے لئے باعث فخر ہے، لیکن ذاتی طور پر آپ نے حد پار کر دی، آپ نے اپنے والدین سے، سماج سے اور صنف نازک سے بھی بغاوت کی تھی، یہی ترز عمل اللہ اور اس کے نظام سے بغاوت پر آپ کو آمادہ کیا اور آپ کا خاتمہ برقی شمشان گھاٹ میں ہوا۔ یہ جدیدیت پسندی کی انتہا تھی جو دور جدید کے جدت پسندوں کے لئے عبرت بن گئیں۔

آپ اردو کی ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھیں تاہم آپ نے، اپنے ہم عصر دوسرے کمیونسٹ ادیبوں کے برعکس، معاشرہ میں خارجی، معاشرتی استحصال کی بجائے اس میں جاری داخلی، معاشرتی اور جذباتی استحصال کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا۔ آپ نے جنس اور جنسی تعلقات کے مسئلہ کو پوری انسانیت کی نفسیات اور اس کی اقدار سازی کے پس منظر میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ آپ نے اپنی کہانیوں میں مرد اور عورت کی برابری کا سوال اٹھایا جو محض گھریلو زندگی میں برابری نہ ہو کر جذبہ اور فکر کی برابری ہو۔ آپ کے افسانوں میں متوسط طبقہ کے مسلم گھرانوں کی فضا ہے۔ ان افسانوں میں قاری دوپٹوں کی سرسراہٹ اور چوڑیوں کی کھنک تک سن سکتا ہے لیکن آپ نے اپنے قاری کو جو بات بتانا چاہا وہ یہ ہے کہ "آنچلوں کی سرسراہٹ اور چوڑیوں کی کھنک کے پیچھے جو عورت آباد ہے وہ بھی انسان ہے اور گوشت پوست کی بنی ہوئی ہے۔ وہ صرف چومنے چاٹنے کے لئے نہیں ہے۔ اس کے اپنے جسمانی اور جذباتی تقاضے ہیں جن کی تکمیل کا اسے حق ہونا چاہئے۔" آپ کی تحریر کردہ مضامین اور کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ آپ

ایک باغی روح لے کر دنیا میں پیدا ہوئیں اور معاشرہ کے جملہ مسلّمہ اصولوں کو منہ چڑایا اور انھیں انگوٹھا دکھایا۔ نتیجہ؟ دنیا میں بے انتہا مقبولیت، بیس بہا کامیابی، لیکن اخروی دنیا میں کیا؟ عورتوں کی حقیقت کو بیان کرتا علامہ اقبال کا یہ شعر دیکھیں

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

***